محمد اسحاق بھٹی

ایک حدیث

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم وان تقرب الی شبراً تقربت الیہ ذراعا وان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا وان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ

(بخاری ۔ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :۔

"میں اس یقین کے مطابق ہوں جو میرا بندہ میرے بارے میں رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوں ۔ جب بھی وہ مجھے یاد کرے ۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں ۔ اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف لپک کر آتا ہوں ۔

احادیث سے دعا کی قبولیت پر بہت روشنی پڑتی ہے ۔ اگر انسان اپنی ضرورت میں اللہ کی طرف رجوع کرے اور اپنی ہر حاجت کے لیے اسی سے تعلق پیدا کرے، تو نہ صرف یہ کہ یہ ایک فطری بات ہے بلکہ اللہ کو محبوب بھی ہے اور اس کا اس نے بار بار حکم دیا ہے ۔ دعا سے اللہ اور بندے کا رشتۂ بندگی مضبوط ہوتا ہے، غیر اللہ سے اس کی امیدیں منقطع ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ اللہ پر اسے اس قدر پختہ اور کلی اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے پوری طمانیت قلب کے ساتھ دنیا کی تمام طاقتوں کو چیلنج دیتا ہے ۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ انسان کو اپنے محتاج محض اور اللہ کے قادر مطلق اور محسن کل ہونے کا شعور ہو اور وہ اللہ سے اس یقین کے ساتھ دعا مانگے کہ جو کچھ

ملے گا اسی سے ملے گا۔ یہاں سے اگر نہ ملا تو اور کہیں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ اور اگر وہ چاہے تو دونوں جہاں کی کامرانی بخش سکتا ہے۔ اس شعور کے ساتھ اللہ سے دعا کی جائے گی، تو وہ انسان کو اللہ کے قریب کرے گی اس میں اللہ پر توکل کی قوت پیدا کرے گی اور دعا کا اجر عظیم اس کے علاوہ ہوگا۔ اس ضمن میں مذکورہ بالا حدیث قابل مطالعہ ہے۔

اس حدیث میں "ظن" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں بغیر دیکھے کسی شے کے بارے میں کچھ خیال کرنا۔ اس طرح کا خیال بالعموم یقین سے خالی ہوتا ہے۔ بنا بریں "ظن" کا استعمال بھی عموماً "گمان" کے لیے ہوتا ہے لیکن بعض اوقات اس قسم کا خیال محکم عقلی دلائل پر مبنی ہوتا ہے اور پختہ یقین کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے اس لفظ کا استعمال "ایمان بالغیب" یعنی "بغیر دیکھے یقین" کے لیے بھی ہوتا ہے خود قرآن پاک میں یہ لفظ اس مفہوم میں جا بجا آیا ہے۔ اس حدیث میں بھی "ظن" کے یہی آخری معنی مراد ہیں یعنی دلائل و شواہد کی روشنی میں اللہ اور اس کی صفاتِ حسنہ پر ایمان بالغیب۔

"میرا بندہ" سے مراد وہ شخص ہے جسے اپنے مقامِ بندگی کا شعور ہو اور جس نے اس شعور کے بعد اللہ سے عملاً تعلق بندگی قائم کر لیا ہو۔ یعنی مردِ مومن و مخلص مومن کے لیے "عبدی" (میرا بندہ) کہنے سے عبدیت پر بھی زور دینا مقصود ہے اور اس سے اللہ کا بندۂ مومن سے قرب بھی ظاہر ہوتا ہے۔ "میں اس یقین کے مطابق ہوں جو میرا بندہ میرے بارے میں رکھتا ہے" یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ میرا بندہ، بندۂ مومن ہونے کی حیثیت سے مجھ پر بھروسہ کرے، میرے وعدوں پر یقین کرے، میری رحمت و مغفرت کی آس لگائے میری رضا کو اس توقع اور یقین پر اپنا مقصدِ زندگی بنائے کہ جب وہ ایسا کرے گا تو میں اس سے راضی ہو جاؤں گا اور اس پر اپنے فضل و کرم کی بارش کر دوں گا۔ مگر اس کی یہ توقعات جھوٹی اور خواب و خیال ثابت ہوں۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اس کی توقعات اور امیدوں کے مطابق ثابت ہوں گا۔ میں دونوں جہان میں اس کا سہارا اور آسرا بنوں گا۔ میں اس سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو جاؤں گا۔ میں اس پر اپنی رحمت و مغفرت کا سایہ کروں گا۔ میں اسے اپنے دیدار اور قرب سے سرفراز کروں گا۔ مختصر یہ کہ دنیا میں اس کا مولیٰ و کارساز ثابت ہوں گا اور آخرت میں اسے وہ سب کچھ دوں گا جس کا میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔

"میں اس کے ساتھ ہوں" یہ حدیث کا جملہ مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر بے پایاں

وسعت رکھتا ہے شاید تسکین و تبشیر کے لیے اس سے بہتر الفاظ نہیں استعمال کیے جا سکتے۔ "میں اس کے ساتھ ہوں" یعنی اس سے دُور نہیں ہوں۔ اس کے حالات سے بے خبر نہیں ہوں۔ بہت قریب بلکہ اس کے ساتھ ہی ہوں۔ اس کے حالات سے پوری طرح اور ہر دم آگاہ ہوں اور آگہی دور کی نہیں، قریب کی ہے۔ میں اس سے نہایت درجہ دلچسپی اور تعلق رکھتا ہوں۔ "میں اس کے ساتھ ہوں"۔ یعنی میری رحمت اس پر سایہ فگن ہے میری نصرت و تائید اسے حاصل ہے میں اسے خیر کی توفیق دیتا اور شر سے محفوظ رکھتا ہوں۔ "میں اس کے ساتھ ہوں" یعنی میں اس کا کارساز و مولیٰ ہوں۔

"میں اس کے ساتھ ہوں، جب بھی وہ مجھے یاد کرے"۔ اس میں پہلے جملے کا ترتب دوسرے جملے پر ہے۔ جب بندہ اللہ کو یاد کرے گا، اللہ اس کے ساتھ ہوگا۔ اور جب وہ اللہ کو فراموش کر دے گا تو اللہ اس کے ساتھ نہ ہوگا۔ گویا اللہ کی نصرت و رحمت، اس کا قرب و معیت، اس کی ولایت و سرپرستی، ان سب کے حصول کی لازمی شرط یہ ہے کہ انسان اللہ کو یاد رکھے۔ اگر انسان اللہ کو یاد کرے گا تو وہ اسے اپنے سے دور پھینک دے گا۔ اپنی نصرت و رحمت سے اسے محروم کر دے گا۔ اور اس کی سرپرستی و کارسازی کرنے کے بجائے اسے لوگوں کے اور شیاطین کے حوالے کر دے گا۔ مختصر یہ کہ انسان جس قدر اللہ کو یاد کرے گا، اسی قدر وہ اللہ کی نصرت و معیت کا مستحق ہوگا اور جس درجہ وہ اللہ سے غافل ہوگا، اسی درجہ وہ اللہ سے دور اور شیطان کے قریب ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد دین کی اساس و بنیاد ہے اور اس پر فلاح انسانی کا کلی انحصار ہے۔

اللہ کی یاد کیا ہے؟ اللہ کے اسمائے حسنیٰ و صفات کمال کا زبان سے ورد، دماغ سے ان پر تدبر و تفکر، دل میں ان کا شعور و حضور۔ یہ تینوں چیزیں مل کر اللہ کی یاد بنتی ہیں۔ انسان زبان سے جس قدر اللہ کو یاد کرے گا۔ دماغ سے جتنا ان کو سمجھے گا اور ان پر غور و فکر کرے گا اور اپنے دل میں جس قدر ان کے تصور کو جمائے گا اتنا ہی اس کے دل و دماغ پر ان صفات کا گہرا نقش ثبت ہوگا اتنا ہی اس کا ایمان پختہ سے پختہ تر ہوگا۔ اسی قدر بندۂ ذاکر کا یقین مشاہدہ و احساس کی سی کیفیت اختیار کرے گا اور اسی قدر انسان کے جذبات اس کی عقل کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر محبتِ خداوندی کو جنم دیں گے اور اسی قدر، اللہ کی بندگی کی راہ انسان کے لیے ہموار اور آسان ہوگی اور اس راہ پر سفر اس کے لیے پسندیدہ و محبوب ہو جائے گا اور اسی قدر اس کی زندگی صبغۃ اللہ میں رنگی

چلی جائے گی اور اسی قدر وہ اللہ کا دوست، اس کا محبوب بندہ اور اس کی معیت و نصرت کا مستحق بن سکے گا۔ اس کے برعکس انسان جس قدر اللہ کی یاد سے غافل ہوگا اسی قدر وہ اس کی بندگی سے دُور ہوگا اور اسی قدر اس کی نصرت و رحمت سے محروم ہوگا۔ "اگر وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کروں گا" "اپنے جی میں" یعنی انفرادی طور پر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ انفرادی طور پر اللہ کو یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اسے انفرادی طور پر یاد کرے گا۔

"اگر وہ مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے" یعنی اگر وہ اللہ کو اجتماعی طور پر یاد کرتا ہے مثلاً کچھ لوگوں کے سامنے اللہ کی صفات کا تذکرہ کرتا ہے، اس کے دین کی باتیں کرتا ہے یا کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر اللہ کا ذکر کرتا ہے، اس کے اسمائے حسنیٰ پر ان کے ساتھ ہو کر غور و فکر کرتا ہے قرآن پاک کو پڑھ کر سناتا، سمجھتا اور سمجھاتا ہے یا ان کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔

"تو میں اس مجمع سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں" "بہتر مجمع میں" یعنی مقربان بارگاہ کے مجمع اور فرشتوں کی محفل میں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "جو کوئی مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں"

بندے کے یاد کرنے پر اس کا خدا اسے یاد کرے اور اس سے بہتر طریق پر یاد کرے۔ اللہ اکبر اللہ کی کتنی بڑی بندہ نوازی اور بندے کا کتنا بڑا مقام ہے یہ! جسے یہ مقام حاصل ہوگیا، اسے اور کیا چاہیے، اسے تو سب کچھ حاصل ہوگیا۔ اس قرب کی ذرا سی امید بھی اس کے لیے کافی ہے کہ بندہ اپنے رب کی یاد سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہو۔ کتنا روح پرور اور وجد انگیز ہے یہ تصور کہ میں جس دم اپنے رب کو یاد کرتا ہوں میرا رب بھی اسی دم مجھے یاد کر رہا ہوتا ہے اور نہ صرف اپنے جی میں مجھے یاد کر رہا ہوتا ہے بلکہ اپنے مقربین بارگاہ میں میرا ذکرِ خیر فرماتا ہوتا ہے۔

"اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے" اصل عبارت میں تقرب کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں قریب ہونے کی کوشش کرنا۔ ظاہر ہے کہ خدا کوئی مادی و محسوس شے نہیں کہ انسان اپنے قدموں سے چل کر اس سے قریب ہو سکے۔ درحقیقت یہ پیرایۂ مجاز ہے یعنی بات تشبیہ و تمثیل کے اسلوب میں کہی گئی ہے۔ گویا اللہ منزل مقصود ہے، بندہ مسافر ہے اللہ کا دین راہ ہے اور اس پر چلنا سفر

ہے۔ خود قرآن پاک میں اس تشبیہ و تمثیل کو بہت اختیار دیا گیا ہے۔ دینِ حق کو قرآن مجید میں بالعموم "صراط مستقیم" (سیدھی راہ) کہا گیا ہے، کہاں تک پہنچے اور پہنچانے والی راہ؟ اس کو بھی قرآن نے صاف کر دیا ہے قال ھذا صراط علی مستقیم (حجر ۴۱) اللہ نے فرمایا یہ راہ ہے سیدھی مجھ تک پہنچی "یعنی میری رضا تک میری رحمت اور میرے اجر تک، آخرت میں میرے دیدار اور میرے قرب تک۔ بہر حال اس جملے میں جس تقرب کا ذکر ہے وہ اللہ کی بندگی اور اس کی رضا جوئی کے سوا اور کچھ نہیں۔

"اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں" جس تشبیہ کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اسے ذہن میں مستحضر کر لیجیے، دینِ حق وہ سیدھی راہ ہے جو انسان کو اللہ کی رضا اور اس کے قرب تک لے جاتی ہے۔ گویا اس راہ کے ایک سرے پر بندۂ مومن کھڑا ہے اور دوسرے سرے پر اللہ کی رضا اور اس کا قرب ہے۔ بندۂ مومن جس قدر اللہ کے دین پر عمل کرتا ہے، اسی قدر یہ راہ طے ہوتی ہے اور اسی قدر بندہ اللہ سے اور اس کی رضا سے قریب ہوتا جاتا ہے۔ لیکن یہ تو ہوئی بندۂ مومن کی جادہ پیمائی! بات صرف اتنی نہیں ہے کہ بندۂ مومن اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اس سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اللہ بھی اپنے وفادار بندوں سے قریب تر ہونا چاہتا ہے۔ دین کی راہ پر چل کر ہر طرف سے بندہ اللہ سے قریب ہوتا ہے تو دوسری طرف سے اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف بڑھتا، اسے اپنی بندگی کی مزید توفیق دیتا اور اپنی عنایت و توجہ سے اس دشوار گزار راہ کو آسان اور مختصر کر دیتا ہے اور اس طرح بندہ اللہ سے روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ کتنی انوکھی ہے یہ راہ جس میں مسافر ہی منزل کی طرف پیش قدمی نہیں کرتا بلکہ منزل بھی دوڑ کر مسافر کے پاس آتی ہے! بندہ کو اللہ کا کس قدر قرب نصیب ہوا۔ اس دنیا میں اس کا اس کے سوا کوئی معیار نہیں کہ انسان کو اللہ کی بندگی کی کس قدر توفیق ہوئی۔ دین کی پیروی اس کے لیے کس قدر آسان ہوئی جسے طے کیے بغیر اللہ کا قرب حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔

"اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہو تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف لپک کر آتا ہوں" یعنی اللہ اپنے بندے سے صرف اسی قدر قریب نہیں ہوتا، جس قدر اس کا بندہ اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے بلکہ وہ اس سے کئی گنا زیادہ اپنے بندے سے قریب ہوتا ہے اور اس کی کوشش سے کہیں زیادہ

اپنے قرب، اپنی رضا اور اپنی رحمت سے اسے نوازتا ہے۔

اس حدیث میں جو چیز سب سے زیادہ ابھر کر سامنے آتی ہے وہ مؤمنین پر اللہ کی غایت درجہ رحمت و رأفت، اس کی نصرت و معیت اور اس کا قرب و تلطف ہے اور اس لحاظ سے یہ حدیث اہلِ ایمان کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔

دین کی اگر مجمل اور بنیادی تقسیم کی جائے تو اس کے تین گوشے ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ایمان ۲۔ ذکر ۳۔ عمل صالح

یہ حدیث ان تینوں گوشوں کی جامع ہے بلکہ اس حدیث سے ان تینوں گوشوں کے مابین جو ربط و ترتیب ہے، اس پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ سب سے مقدم یقین و ایمان ہے۔ اس کے بعد ذکر ہے جو ایمان کو تازہ اور عقائد اسلامی کو انسان کے دل و دماغ میں پیوست اور رگ و ریشے میں جاری و ساری کر دیتا ہے۔ پھر ایمان و ذکر ہی سے وہ زندگی بنتی ہے جس میں انسان ہر لمحہ رضائے الٰہی کو سامنے رکھتا اور والہیت و شیفتگی کے ساتھ دین کی راہ طے کرتا ہے اور اس یقین، یاد اور جد و جہد کے سہ گونہ پروگرام پر عمل کرتے ہوئے اسے اللہ کی نصرت و معیت، اس کے قرب و رضا اور اس کی رحمت و شفقت کا پورا یقین اور اپنے رب پر کامل اعتماد اور توکل ہوتا ہے۔

کلامِ حکیم

مرتبہ: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

یہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کا مجموعۂ کلام ہے۔ خلیفہ صاحب مرحوم کو شعر گوئی کا ذوق فطری طور پر ودیعت ہوا تھا اور انھوں نے غزل، نظم، قطعہ، رباعی وغیرہ مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کر کے اپنی شعری صلاحیتوں کا سکہ بھی بٹھا دیا۔ اس مجموعے میں ان کے متوازن و متحرک ذہن کے بہت سے گوشے بے نقاب نظر آتے ہیں۔ قیمت: نو روپے پچاس پیسے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور